© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

# اشارات

ترجمان القرآن کے گزشتہ شمارے میں ہم نے بتایا تھا کہ اشتراکیت کی پوری عمارت انکارِ خدا پر اٹھائی گئی ہے۔ اور کفر و الحاد اس کے پورے نظام میں رُوح کی طرح جاری و ساری ہے۔ اس نظام کا مقصد ہی مذہب اور مذہبی اقدار کا استیصال ہے۔ البتہ اس نے ایک عیار اور چالاک طالع آزما کی طرح اپنے آپ کو آگے بڑھانے کی خاطر معاشی مساوات کا نعرہ بلند کر رکھا ہے۔ ہماری ان گذارشات پر ہمیں ایک صاحب نے بڑا طویل خط لکھا ہے جس میں انہوں نے اصرار کیا ہے کہ الحاد اشتراکیت کا کوئی لازمی عنصر نہیں بلکہ اسے دینی اقدار کے ساتھ بھی اپنایا جاسکتا ہے۔ خط کا انداز بڑا جذباتی ہے لو اسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب نگار کو ایک طرف اسلام سے بھی محبت ہے مگر دوسری طرف انہیں یہ غلط فہمی بھی لاحق ہے کہ غریبوں کے دکھوں کا درماں اسلام میں نہیں ہے اور اس کیلئے اشتراکیت ہی ایک مجرب نسخہ ہے۔ اسلام اور اشتراکیت کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم عنان کرنے کے سلسلے میں وہ جس قسم کے فریب اور منطقی مغالطے میں مبتلا ہیں اس میں چونکہ دوسرے بہت سے سادہ لوح افراد بھی مبتلا نظر آتے ہیں اس لیے ہم الحاد کے بعد اشتراکیت کے دوسرے بنیادی اصول یعنی جبر و تشدد پر بحث کرنے سے پیشتر اس مغالطے کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔

---

کسی نظریے یا طرزِ عمل کی صحت کو جانچنے کے لیے علاوہ اور بہت سے اصولوں کے ایک اصول نتائجیت (PRAGMATISM) بھی ہے۔ اس اصول کے مطابق کسی تحریک یا نظریہ حیات کی قدر و قیمت کو اس نتیجے سے جانچا جاتا ہے جو اس نظریہ کے فروغ پانے کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اشتراکیت کے اندر مذہبی اقدار کی کس قدر گنجائش ہے اس کا اندازہ اس مذہب کُش طرزِ عمل سے بتایا جاسکتا ہے جو اشتراکیت نے اوّل روز سے اختیار کر رکھا ہے۔ جس ملک میں بھی اشتراکیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نے سر اٹھایا وہاں اس نے سب سے پہلے مذہب کو مٹانے کی کوشش کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک کسی معاشرے میں مذہبی اقدار کا یکسر خاتمہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک اشتراکیت کا قیام ممکن نہیں ہوتا۔ آپ دُور نہ جائیے، صرف اپنے ملک کے حالات پر نگاہ ڈال لیں تو آپ پر اشتراکیت کی اسلام دوستی خود بخود ظاہر ہو جائے گی۔ اس ملک میں کھلم کھلا خالص اشتراکیت کا پرچار کرنے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ جو لوگ بھی یہاں اس نظام کو نافذ کرنے کے دعویدار ہیں وہ کسی نہ کسی صورت میں اس کے ساتھ اسلام کا لفظ ضرور لگاتے ہیں۔ کوئی اسے "اسلامی سوشلزم" کا نام دیتا ہے، کوئی اسے "اسلامی مساوات" کے دلفریب نعرے کے ساتھ عوام کے سامنے لاتا ہے، کوئی قرآنی نظام ربوبیت کی من گھڑت اصطلاح سے مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی اسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی پیروی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ان لوگوں کے ان مقدس دعووں کو ایک طرف رکھیے اور پھر ذرا اس امر کا جائزہ لیجیے کہ ان کی جدوجہد کے نتیجے میں یہاں عملاً اسلام اور اسلامی اقدار کو کس حد تک تقویت حاصل ہو رہی ہے۔ چلیے ہم اب ایک منٹ کے لیے یہ مان لیتے ہیں کہ اسلامی سوشلزم صرف معاشی مسئلے کی حد تک سوشلزم کا پروگرام قبول کرتا ہے، اور اس کے ساتھ سوشلزم کے کسی دوسرے فلسفے کو قبول نہیں کرتا۔ یہ بات اگر صحیح ہے تو پھر اسلام کی باقی اقدار، مثلاً اخلاقی اور معاشرتی اقدار، عفت، پاک دامنی، قناعت، امن پسندی، جھوٹ اور مکر و فریب سے نفرت، خدا خوفی، آخرت کی جواب دہی کا احساس، ارکانِ اسلام یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے محبت اور ان کے ادا کرنے کا ذوق، اللہ اور اس کے رسول سے عقیدت اور اسلامی تعلیمات کا احترام اور ان کے صحیح اور برحق ہونے کا غیر متزلزل یقین اور ان کے مقابلے میں لادینی تصورات اور اخلاقی اور معاشرتی معیار کا ابطال، انہیں تو بہرحال اسلامی سوشلزم کے بڑھنے کے ساتھ فروغ حاصل ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ چیزیں اسلام میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں اور ان کے بغیر کسی اسلام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہم تو خیر اسلامی سوشلزم کے نعرے کو محض مکر و فریب سمجھتے ہیں اور ان دونوں کے اجتماع کو اسی طرح کا اجتماع نقیضین خیال کرتے ہیں جس طرح کہ اسلامی کفر یا اسلامی بت پرستی ہے۔ لیکن جو لوگ اپنی سادگی سے اس طلسم فریب میں گرفتار ہیں کہ اسلامی سوشلزم اسلام کا نظام عدل ہی ہے، انہیں ہم اس تحریک کے مزاج، اس کے کارکنوں کے مزاج اور ان کی اسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے محبت، عقیدت اور اسلامی تعلیمات سے ان کی وابستگی کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کی زندگیوں اور ان کے اعمال و اقوال اور نوجوانوں پر ان کی تحریک کے اثرات کو دیکھ کر وہ خود فیصلہ کریں کہ کیا اس تحریک کی منزلِ مقصود اسلام ہے یا الحاد اور اباحیت؟

---

عوام کو دھوکا دینے کے لیے محض اسلام کا نام استعمال کرنے سے تو کوئی تحریک اسلامی نہیں بن سکتی۔ اس کے لیے تو اسلام کی تعلیمات پر گہرا ایمان اور اس امر پر پختہ یقین درکار ہے کہ دینِ حق ہی انسانیت کی دنیوی فلاح اور آخری کامرانی کا واحد راستہ ہے۔ پھر اس راستے پر عملی طور پر گامزن ہونے اور دنیا کو اس پر گامزن کرنے کے لیے سعی و جہد ہی سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی ایک اسلامی تحریک ہے۔ اب جو تحریک غیر اسلامی نظریات کی علمبردار ہو، جس کے کارکن اپنی نجی محفلوں میں کھلے طور پر اور پبلک میں الفاظ کے معمولی ہیر پھیر کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا استخفاف اور ان کے مقابلے میں اشتراکی تعلیمات کی برتری ثابت کرتے ہوں اور جن کی زبان درازی سے اللہ اور اس کے رسول کی ذات بھی محفوظ نہ ہو، اس تحریک کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ کسی اعتبار سے بھی اسلامی انقلاب پر منتج ہو گی، پرلے درجے کی حماقت اور بیوقوفی ہے۔ آپ اسلامی سوشلزم کے ان علمبرداروں کی تقریریں سنیے اور ان کی تحریریں پڑھیے اور ان کی زندگیوں کا جائزہ لیجیے۔ ان میں اسلام سے وابستگی کے بجائے اسلام سے بغاوت کی جھلک نظر آئے گی۔ یہ تحریک درحقیقت مغرب کی خالص مادہ پرستانہ اور ملحدانہ تحریک ہے جو اسلام کی عین ضد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ بھی اس سے وابستہ ہوتے ہیں ان کے فکر و عمل میں دینِ حق سے بغاوت کا عام رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ معاشی مساوات کے علمبرداروں کی اپنی زندگیاں اس مساوات سے یکسر عاری ہیں۔ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے عوام کو دھوکا دینے والوں کے شب و روز میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ملتی جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ انہیں اس مقدس صحابی رسول کی ذات سے کوئی ادنیٰ سی نسبت بھی ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی زندگی محبتِ الٰہی کا نمونہ تھی اور اس محبت میں ان کا انہماک اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ تصوف کی زبان میں ان کی زندگی اثباتِ حق تعالیٰ کے لیے مقام لا الٰہ کی عملی تعبیر تھی۔ مگر یہ دیکھیے کہ جس لا کی آڑ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج یہاں قومی ملکیت کا فلسفہ پیش کیا جا رہا ہے کیا اس کا محرک فی الحقیقت ذاتِ حق تعالیٰ کا اثبات ہی رہا ہے یا حکومت کی کبریائی کا اثبات؟ اگر یہ اثباتِ حق ہی کے لیے ہوتا تو اس تحریک کا مزاج کبھی لادینی نہ ہوتا اور نہ اس کے پروان چڑھنے سے اسلامی اقدار پامال ہوتیں۔ مگر ہم میں سے ہر شخص یہ دیکھ رہا ہے کہ اس تحریک کے زور پکڑنے کے ساتھ ملک میں نہ صرف الحاد اور اخلاقی بے قیدی کا طوفان اٹھ رہا ہے بلکہ بے دین افراد اس قدر جری اور بے باک ہوتے جا رہے ہیں کہ اب وہ علانیہ اسلامی تعلیمات کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ جو شخص تھوڑی سی بصیرت بھی رکھتا ہے خود اپنی آنکھوں سے الحاد اور اباحیت اور بے دینی کے ان المناک مناظر کو بآسانی دیکھ سکتا ہے جو اسلامی سوشلزم کے بطن سے نمودار ہو رہے ہیں۔ اس کے لیے کسی زیادہ تحقیق و تجسس کی ضرورت نہیں۔

---

الحاد کے ساتھ اشتراکی تحریک کا دوسرا اہم اصول تشدد ہے۔ الحاد اگر اس تحریک کا اعتقادی فلسفہ ہے تو تشدد اس کے عملی پروگرام کو کامیاب کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تحریک کا مزاج اور پروگرام چونکہ غیر فطری اور غیر عقلی ہے اس لیے تلقین و ترغیب کے ذریعے عوام کو اس کا حلقہ بگوش نہیں بنایا جا سکتا بلکہ اسے سازش اور جبر و تشدد ہی کے ذریعے اُن کے منشا اور مرضی کے علی الرغم ان پر ٹھونسا جاتا ہے۔ جو تحریکات بھی انسانی فطرت سے مطابقت رکھتی ہیں وہ سب سے پہلے انسان کے اندر جو انسان ضمیر و وجدان اور عقلِ سلیم کی صورت میں موجود ہے اسے اپیل کرتی ہیں کیونکہ انسان کی فطرت کا حقیقی جوہر وہیں موجود ہوتا ہے۔ اور جب یہ اندر کا انسان ان کی صحت اور افادیت کا پوری طرح قائل ہو جاتا ہے تو پھر باہر کا انسان بھی سرگرمِ عمل ہو جاتا ہے اور اپنے ہم خیالوں کے ساتھ اُسے نیکی آگے بڑھتا ہے۔ اس راہ میں اگر بعض ایسے عوامل حائل ہو جائیں جنہیں قوت کے بغیر راستے سے ہٹانا بالکل ممکن نہ ہو تو پھر قوت کو ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر اور وہ بھی ناگزیر حد تک استعمال میں لایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان انسانی تحریکات کے فروغ پانے سے دنیا میں صحت مند اقدارِ حیات ترقی پاتی ہیں۔ انسان خارجی جکڑ بندیوں کے بغیر اپنے آپ کو نظم و ضبط کا پابند بناتے ہیں اور دوسرے انسانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پالنے کے بجائے محبت اور اخوت کے جذبات کی آبیاری کرتے ہیں۔

اشتراکیت چونکہ انسانی فطرت سے بغاوت کی تحریک ہے اس لیے جبر و تشدد اور سازش ہی اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سب سے موثر ہتھیار ہیں۔ اس کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے چند جذباتی نعروں کے ذریعے فضا میں شدید ہیجان اور اضطراب پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر اس اضطراب کے اندر اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ وسیع پیمانے پر جھوٹ بول کر اور ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیکر ملک کے سنجیدہ اور دانشور طبقے کو، جو اس تحریک کی تباہ کاریوں اور ہلاکت خیزیوں سے واقف ہو، سخت بدنام کیا جائے تاکہ عوام اپنے حقیقی خیر خواہوں کی کسی بات پر کان نہ دھریں۔ پھر ہیجان و اضطراب کی اس تاریک فضا اور مخالفین پر الزام تراشیوں کی اس بوچھاڑ کے اندر تحریک کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ ذہن نشین رہے کہ یہ تحریک صرف ایک راستے سے آگے نہیں بڑھتی بلکہ مختلف چور دروازوں سے اسے عوام کے اندر گھسنے اور راہ پانے کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ یہ دروازے یوں تو کئی ایک ہیں لیکن یہاں ہم چند دروازوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

---

پہلا دروازہ نوکر شاہی کا دروازہ کہا جا سکتا ہے۔ نیم ترقی یافتہ ممالک کے اندر چونکہ انتظامیہ کو غیر معمولی اختیارات حاصل ہوتے ہیں اس لیے اس کے ارکان کی اکثریت اخلاقی بگاڑ میں مبتلا پائی جاتی ہے۔ اشتراکی طبقے بڑی عیاری کے ساتھ ان کے اسی بگاڑ کو اپنے مطلب کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ وہ شراب و زنا، قمار بازی، بے حیائی اور رقص و سرود (ثقافت) کے ذریعے سے ان میں نفوذ کرتے ہیں، اور رشوتوں کے ذرائع سے بھی کام لیتے ہیں۔ اس کا انہیں دوہرا فائدہ پہنچتا ہے۔ حکمران طبقے کی دوستی اور رفاقت کی وجہ سے انہیں بہت سی مادی منفعتیں حاصل ہوتی ہیں اور اس طبقے کی معاونت اور دستگیری انہیں مختلف سرکاری اور غیر سرکاری اداروں اور خصوصاً نشر و اشاعت کے اداروں میں راہ پانے کے مواقع بہم پہنچاتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان اشتراکیوں کی شہ پاکر انتظامیہ کے افراد اس قدر جری اور بے لگام ہو جاتے ہیں کہ وہ ہر قسم کی ظالمانہ کاروائیاں کر گزرتے ہیں۔ اس سے عوام کے اندر بے چینی پیدا ہوتی ہے اور اس کا فائدہ بھی پھر اشتراکیوں کو پہنچتا ہے۔

---

دوسرا دروازہ وہ ہے جہاں سے اشتراکی نوخیز نسلوں پر شب خون مارتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف تعلیمی اداروں میں نفوذ کر کے طلبا اور طالبات کو اپنا آلہ کار بناتے ہیں، مگر وہاں بھی یہ اپنے افکار کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نشر و اشاعت سے کہیں زیادہ ان کے اخلاق بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان تعلیمی اداروں کے اندر غیر نصابی سرگرمیوں کے لیے جو مختلف انجمنیں قائم ہوتی ہیں ان پر یہ لوگ قبضہ جما لیتے ہیں اور پھر ان انجمنوں کو اپنی سرگرمیوں کے اڈے بنا لیا جاتا ہے۔ طلبا اور طالبات کے مخلوط اجتماعات، ثقافت اور آرٹ کے نام پر ڈرامے اور موسیقی کی محفلوں کا انعقاد، ادبی شعور کی تربیت کی آڑ میں اسلامی تعلیمات خصوصاً اس کے نظام اخلاق سے انحراف کی حوصلہ افزائی، یہ ان اشتراکیوں کی "خدمات" کے نمایاں گوشے ہیں۔ ان کی بدولت نوجوانوں میں شراب نوشی، بدکرداری اور غنڈہ گردی کی جو وبا پھیل رہی ہے اسے آج ہر آنکھوں والا ہمارے اپنے ملک میں دیکھ رہا ہے۔

---

تیسرا چور دروازہ مزدور تنظیموں کا ہے۔ بندہ مزدور کے اوقات کو چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کے مظالم نے نہایت تلخ بنا رکھا ہے اور محنت کشوں کے دل میں اس انسانیت کش نظام کے خلاف شدید نفرت ہے اس لیے یہ اشتراکی مزدور طبقے کو اپنی بہترین شکارگاہ سمجھتے ہیں اور دل کھول کر اسے شکار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں مزدوروں کی فلاح و بہبود سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ وہ اس کے مسائل حل نہیں کرتے بلکہ ان مسائل کو زیادہ سے زیادہ الجھانے اور طبقاتی جنگ کی آگ بھڑکانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی بہانے مزدوروں کے جذبات کو ہر وقت برانگیختہ رکھا جائے اور ان کے نفرت و حقارت کے احساسات کو تشدد کی طرف موڑا جائے اور یہ بات ان کے ذہن نشین کر دی جائے کہ قتل و غارت، لوٹ مار، جلاؤ اور گھیراؤ کے سوا ان کے مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔

---

چوتھا دروازہ جس سے داخل ہو کر یہ لوگ مذہبی طبقوں میں سرایت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ علما اور مشائخ کی گروہ بندیاں ہیں۔ مذہب کے فروعی مسائل میں اختلافات تو دو ہی صورتوں میں ختم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ سارے علما عقل و فکر سے یکسر عاری ہو جائیں یا پھر ہر عالم دین اللہ تعالیٰ کے منشا کو براہ راست اُس سے اخذ کر سکے۔ مگر ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی ممکن نہیں ہے۔ دین کے جن معاملات میں قرآن و سُنت دونوں خاموش ہیں یا جن میں تعبیر کے اختلاف کی گنجائش ہو سکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے یا جن میں ترجیحات کے مختلف پہلو نکل سکتے ہیں ان میں اختلاف ہونا ایک فطری امر ہے۔ پھر یہ بھی قریب قریب ناممکن ہے کہ تمام علمائے دین ان فطری اختلافات کو حد اعتدال میں بھی رکھیں۔ اس وجہ سے علماء کے اندر تلخیاں بھی پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ ان اختلافات تلخیوں اور رنجشوں سے اشتراکی بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اختلافات کی آڑ میں یہ عوام کو اسلامی نظام سے بدظن کرتے ہیں اور ان کے دماغوں میں یہ باطل خیال راسخ کرتے ہیں کہ جس نظام پر علماء متفق اور متحد ہی نہیں ہو سکتے اسے یہاں کس طرح نافذ کیا جا سکتا ہے۔ علماء کے مابین تلخیوں اور رنجشوں کو ہوا دے کر انہیں ایک دوسرے کی جان کا دشمن بنا دیا جاتا ہے اور اس دشمنی میں وہ اس حد تک آگے نکل جاتے ہیں کہ سرخ فوج کے ساتھ شامل ہو کر اسلامی محاذ پر مسلسل یلغار کرتے ہیں اور اپنی قوتیں کفر و الحاد کو شکست دینے کے بجائے کفر و الحاد کی حمایت میں صرف کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ چڑ اور ضد کی وجہ سے ان کی عقل بالکل ماؤف ہو جاتی ہے۔ وہ یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ اُن کی صلاحیتیں کن ناپاک مقاصد کے لیے استعمال ہو رہی ہیں اور وہ خود اپنے حق میں کیا کانٹے بو رہے ہیں۔

---

پانچواں چور دروازہ سیاست ہے۔ اس میدان میں بھی ان اشتراکیوں کا طرز عمل بڑا غیر عقلی ہوتا ہے۔ ان کی ساری توجہ صرف اس بات پر مبذول رہتی ہے کہ ملک کا کوئی مسئلہ سنجیدگی، معقولیت اور رائے عامہ سے حل نہ ہونے پائے بلکہ معمولی معمولی مسائل کو بھی مصائب کے پہاڑ کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتے تاکہ عوام کے اندر اپنے مستقبل کے بارے میں شدید مایوسی پیدا ہو اور انہیں اپنے مسائل کے حل کے لیے جلاؤ اور گھیراؤ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نظر نہ آئے۔

زندگی کے مختلف شعبوں میں ان اشتراکی سرگرمیوں کا اگر جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کا انداز سراسر غیر عقلی، تخریب پسندانہ، متشددانہ اور سازشی ہے۔ یہی وہ حربے ہیں جنہیں اختیار کر کے اشتراکیت کسی ملک پر مسلط ہوتی ہے اور پھر انہی کی مدد سے اپنا تسلط قائم رکھتی ہے۔

---

مارکس کے خیال کے مطابق اشتراکی انقلاب سب سے پہلے انگلستان، جرمنی اور فرانس جیسے صنعتی ممالک میں آنا چاہیے تھا کیونکہ ان کے اندر طبقاتی کشمکش سب سے زیادہ شدید تھی مگر اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"سائنٹیفک نظریے" کے بالکل برعکس یہ انقلاب سب سے پہلے روس جیسے زرعی ملک میں برپا ہوا۔ یہ انقلاب کس قسم کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور ظلم و استبداد کے ذریعہ آیا ان کا یہاں مختصر سا نقشہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ عوام اس انقلاب کی ٹکنیک سے واقف ہوں اور چوکس ہو کر ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کر سکیں۔

اس بات سے تو ہر شخص واقف ہے کہ روس میں زار کے جبر و تشدد کے خلاف جب عوام کے اندر ایک شدید ردِ عمل پیدا ہوا تو اُس نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اس تحریک کی نوعیت قریب قریب اسی طرح کی تھی جیسی ایوب خاں کے خلاف متحدہ جمہوری محاذ کی تھی۔ اس میں مختلف طرز خیال کے وہ سارے لوگ شامل تھے جن کے دل میں زار کے استبداد کے خلاف آگ سلگ رہی تھی۔ بالشوک اس تحریک کا ایک نہایت ہی مختصر حصہ تھے۔ یہ تحریک کامیابی کے مرحلے پر تھی کہ پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہوا جس نے روس کو براہِ راست اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ روس کا محاذ چونکہ بڑا لمبا تھا اس لیے جرمنی اس بات کے لیے کوشاں تھا کہ کسی طرح روس کو داخلی طور پر کمزور کر دے۔ اس مقصد کے لیے جرمن ایجنٹوں کے ذریعہ اس نے روس میں ہڑتالیں کرانی شروع کیں۔ اور لینن سے ساز باز کر کے اس کے ذریعے اس بات کا پورا پورا انتظام کیا کہ روس اپنے دفاع کے بھی قابل نہ رہے۔ جرمنی نے روس کو داخلی طور پر جس خلفشار میں مبتلا کر دیا تھا اور لینن کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے جو اندوہناک صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی اس کے نتائج سامنے آنے لگے۔ روسی فوجیں شکست پر شکست کھانے لگیں اور ملک کے اندر وسیع پیمانے پر مایوسی پھیل گئی۔ عوام کی توجہ ان لوگوں کی طرف پوری طرح مبذول نہ ہوئی جو جرمنی سے سازش کر کے روس کو شکست دلوا رہا تھا۔ وہ زار کو ہی اس ساری تباہی و بربادی کا سبب سمجھتے رہے، چنانچہ وہ تخت سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو گیا۔

---

جب حکومت عوام کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی تو لوگوں کے دلوں میں ملک کے دفاع کا ولولہ پیدا ہوا اور جرمنی کی توقعات کے بالکل برعکس انھوں نے نئے جوش کے ساتھ اپنے ملک کی حفاظت و پاسبانی کا کام شروع کیا۔ جرمنی کے لیے اب سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ وہ کسی طرح لینن کو ملک کے اندر داخل کر کے اس قدر بااختیار بنا دے کہ جرمنی کی شرائط کے مطابق روس جنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بند کرنے پر مجبور ہو جائے۔ چنانچہ لینن اور اس کے معتمد ساتھیوں کو اس کی بیوی اور داشتہ کے ساتھ ایک بند گاڑی میں زیورچ سے روانہ کیا گیا۔ جب یہ گاڑی پیٹرو گراڈ (موجودہ لینن گراڈ) پہنچی تو لینن کے استقبال کے وسیع انتظامات کے باوجود بہت سے لوگوں نے اس کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ شہریوں کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اس شخص کو جرمنی نے ایک خاص مقصد کے تحت بھیجا ہے تو ان کے دل میں اس کے خلاف شدید حقارت پیدا ہوئی۔ مگر یہ اپنے کام میں منہمک رہا۔

---

زار کی معزولی کے بعد عارضی حکومت نے غلطی یہ کی کہ اس نے لینن کے خلاف اس جذباتی فضا سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جو اس وقت پیدا ہو چکی تھی۔ وہ اسی خوش فہمی میں مبتلا رہی کہ اس شخص اور اس کے چند حامیوں کے خلاف جب عوام کی عظیم اکثریت نفرت و حقارت کے یہ جذبات رکھتی ہے تو آخر ملکی معاملات میں یہ کس طرح ایک طاقت بن سکتا ہے۔ لیکن یہ محض اس کی غلط فہمی تھی۔ لینن اور اس کے ساتھیوں نے اپنی تخریب پسندانہ سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ انہوں نے فوج میں سے ان لوگوں کو تلاش کیا جو جنگ سے اکتا گئے تھے اور انھیں یہ کہہ کر اپنے ساتھ ملایا کہ آخر اس کشت و خون کا کیا فائدہ؟ کیوں نہ جنگ بند کر کے امن و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کی جائے اور اپنی قوتیں ملک کی تعمیر میں صرف کی جائیں؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ سے تنگ آئے ہوئے سپاہی اس بات کے قائل ہو گئے کہ جرمنی کے ساتھ ہر قیمت پر صلح ہو جانی چاہیئے۔

دوسری طرف لینن کے آدمی گاؤں گاؤں اور شہر شہر کسانوں اور مزدوروں کو اس بات پر اکسا رہے تھے کہ وہ آئین ساز اسمبلی کے فیصلے کا انتظار کیے بغیر زمینوں پر قبضہ کر لیں۔ غریب کسان ان لوگوں کے بہکاوں میں آ گئے اور انہوں نے عارضی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ مگر چونکہ عوام اور بری و بحری افواج کی اکثریت عارضی حکومت کی پشت پر تھی اس وجہ سے بغاوت ناکام ہو گئی۔ لینن تو فن لینڈ بھاگ گیا مگر اس کے ساتھیوں نے زیر زمین سرگرمیاں جاری رکھیں اور معاشرے کے مختلف طبقات کو خوش کن نعروں اور دلفریب وعدوں کے ذریعے اپنے دام میں پھنساتے رہے اور بالآخر ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو عین اس وقت جب عبوری حکومت نے دستور ساز اسمبلی کے انتخابات کا اعلان کیا تھا ایک سازش کے ذریعے اشتراکیوں نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

---

لینن جس ناپاک ذریعہ سے حکومت پر قابض ہوا تھا اس کا اسے شدید احساس تھا اور اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ عوام نے اس کی اس حرکت کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ پھر اسے یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ کہیں دنیا میں اس کے متعلق یہ تاثر قائم نہ ہو جائے کہ وہ عوامی تائید سے یکسر محروم ہے۔ ان تمام مشکلات کا تدارک اس کے پاس یہی تھا کہ وہ یہ اعلان کردے کہ انتخابات وقت پر ہوں گے۔ دھونس اور دھاندلی کی فضا میں انتخابات منعقد کیے گئے۔ مگر نتیجہ لینن کی توقعات کے بالکل برعکس نکلا۔ لینن اس صورت حال سے سخت برافروختہ ہوا۔ اور اس نے خود اپنے زیر نگرانی منعقد کرائے ہوئے انتخابات کے نتائج کو اپنی توقع سے مختلف پاکر اسمبلی کو بے وزن بنانے اور اپنے ڈھب پر لانے کی کوششیں شروع کردیں۔ پورے کا پورا انتخابی کمیشن برخاست کر دیا گیا۔ اس کی جگہ اورٹسکی کو، جو ایک نہایت ظالم قسم کا بولشوک تھا، مقرر کیا گیا اور اس کے ذمے یہ کام سونپا گیا کہ وہ منتخب ہونے والے ارکان کے حالات اور ان کے نظریات اور رجحانات اور اشتراکیت سے ان کی وابستگی کا جائزہ لے۔ لاتعداد افراد کو گھروں میں محبوس کر دیا گیا اور مخالف جماعتوں کے حامی چھوٹے بڑے اخبارات بھی بالکل بند کر دیئے گئے۔ مگر ان ساری متشددانہ کارروائیوں کے باوجود لینن کو اطمینان نہ ہوا۔ وہ اس بات کا متمنی تھا کہ دستور ساز اسمبلی یا تو بالکل اس کے اشارے پر کام کرے یا پھر اسے توڑ دیا جائے۔ اسمبلی کے اندر اپنے حامیوں کو غنڈہ گردی کی تلقین کی گئی اور ہنگامہ آرائی کی باقاعدہ تربیت دی گئی۔ اسمبلی کے باہر سُرخ فوج کے دستے متعین کر کے اسمبلی کے ارکان اور عوام کے اندر سخت خوف و ہراس پیدا کیا گیا۔ جو لوگ بھی اسمبلی کے قریب آتے انہیں گولی سے اڑا دیا جاتا۔ لیکن اس دہشت پسندی اور غنڈہ گردی کے باوجود چونکہ اسمبلی کے ارکان کی عظیم اکثریت لینن اور اس کی پارٹی کے خلاف تھی اس لیے اس نے اس امر کی پوری کوشش کی کہ ملک کا دستور جلد از جلد تشکیل دے دیا جائے، اور اس نے بڑی عجلت کے ساتھ دستوری دفعات منظور کرنی شروع کر دیں۔ لینن یہ صورت حال دیکھ کر سخت گھبرایا اور اس نے جب یہ دیکھا کہ کوئی ترغیب و تخویف کارگر ثابت نہیں ہو رہی تو اس نے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب ہونے والی پہلی اور آخری دستور ساز اسمبلی کو توڑ دینے کا اعلان کر دیا اور اس طرح ایک آمر مطلق کی حیثیت سے ملک کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاہ و سپید کا مالک بن بیٹھا۔

---

عوام کے خلاف اپنے دل میں غیظ و غضب کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس نے چیکا کے نام سے خفیہ پولیس قائم کی جس نے لوگوں کو اندھا دھند گرفتار کر کے انہیں گولی سے اڑانا شروع کیا۔ گرفتاری کے لیے کسی دلیل یا ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں بلکہ بعض مضحکہ خیز باتوں کی آڑ لے کر لوگوں پر مظالم توڑے گئے۔ مثلاً بے شمار افراد کو محض اس جرم کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا کہ وہ تعلیم یافتہ ہونے کی بنا پر بورژوا طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بورژوا ہونے کا معیار بھی بڑا عجیب و غریب تھا۔ اگر کسی شخص کے گھر میں گوشت کی چند بوٹیاں نظر آگئیں تو وہ بھی بورژوا ہونے کی وجہ سے موت کی سزا کا مستوجب قرار دیا گیا۔

قتل و غارت کے اس اندوھناک ماحول میں حکومت نے کسانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ جن لوگوں نے بھی اس کام میں ذرا مزاحمت کی ان کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ کاشتکاروں کی بے بسی کا اب یہ عالم ہو رہا تھا کہ وہ اگر اپنے کھیتوں میں اپنی محنت سے اُگاتے ہوئے گیہوں کا ایک دانہ بھی استعمال میں لاتے تو انہیں گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا۔ کسانوں کو حکومت کے مقرر کردہ نہایت ہی ارزاں نرخوں پر شہر کے اندر گندم اور گوشت مہیا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ یہ حشر اُن کسانوں کا ہو رہا تھا جن سے انقلاب سے پہلے یہ خوش کن وعدے کیے گئے تھے کہ امیر کاشت کاروں کی زمینیں چھین کر تمہیں ان کا مالک بنا دیا جائے گا۔ مشہور فلسفی برٹرینڈرسل لینن سے اپنی ایک ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے زراعت کا مسئلہ کس طرح حل کیا؟ تو اس کے جواب میں اس نے کہا کہ میں نے غریب کسانوں کو امیر کسانوں کے خلاف بھڑکا دیا اور انھوں نے امیر کسانوں کو نزدیک ترین درختوں پر اپنے ہاتھ سے پھانسی دے دی۔ رسل لکھتا ہے کہ لینن نے یہ کہہ کر زور سے قہقہہ لگایا جسے سن کر میرا خون منجمد ہو گیا اور میں یہ سوچنے لگا کہ یہ ظالم شخص آخر کس طرح انسانیت کا بھی خیر خواہ ہو سکتا ہے۔

---

کسانوں کے اندر جب یہ عام احساس ابھرنے لگا کہ ان کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے تو ان کے اندر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے تو بغاوت کا جذبہ پیدا ہوا اور انھوں نے حکومت سے ٹکر لی۔ مگر انھیں جلد ہی یہ پتہ چل گیا کہ اس قسم کی ظالم آمرانہ حکومتیں، جن کی گرفت بڑی مضبوط ہو، آسانی سے تبدیل نہیں کی جاسکتیں۔ اس احساس نے ان کے اندر سخت مایوسی کی کیفیت پیدا کر دی۔ انھوں نے کام میں دلچسپی لینا چھوڑ دی اور اس کے نتیجے میں روس کے اندر زبردست قحط رونما ہو گیا۔ اس اثنا میں وہاں امریکہ کا وفد بھی گیا ہوا تھا۔ لینن نے اس وفد کے قائد کو مجبور کیا کہ وہ امریکہ سے روس کے لیے امداد طلب کرے۔ لینن کے ایما پر امریکی حکومت کو جو تار دیا گیا اس میں لکھا تھا کہ روس اس وقت سخت قحط میں مبتلا ہے اور یہ قحط دن بدن تشویش ناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے، نہ صرف یہ کہ لوگوں کے پاس کھانے کے لیے گندم نہیں بلکہ اگلی فصل بونے کے لیے بیج بھی نہیں۔

یہ حالات اتنے سنگین تھے کہ لینن معاشی پالیسی میں نمایاں اور بعض اصولی تبدیلیاں کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نئی معاشی پالیسی کو N-E-P کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس پالیسی کے تحت حکومت نے زمین ٹھیکے پر کاشت کروانے یا ملازم رکھ کر کاشت کروانے کی اجازت دے دی۔ یعنی جس معاشی نظام کو تبدیل کرنے کے لیے لاکھوں انسان لقمۂ اجل بنے، لاکھوں کو مختلف مصائب کا سامنا کرنا پڑا، وہی نظام معمولی سے تغیر و تبدل کے بعد پھر نافذ کرنا پڑا۔ مشہور اشتراکی رہنما ٹراٹسکی نے اپنی کتاب (REVOLUTION BETRAYED) میں بڑی تفصیل کے ساتھ اشتراکیت سے اس پسپائی کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ جس سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لیے روسی عوام پر ناقابل بیان مظالم ڈھائے گئے وہی سرمایہ داری اپنی ساری ہولناکیوں کے ساتھ اشتراکیت کے علمبرداروں کے ہاتھ وہاں دوبارہ مسلط ہو گئی ہے۔ فرق اگر کچھ پڑا ہے تو یہی کہ پہلے زار لوگوں پر ظلم و ستم ڈھاتا تھا اور اب یہ کام زیادہ منظم طریق اور زیادہ وسیع پیمانے پر اور زیادہ جبر و استبداد کے ساتھ اشتراکیت کے علمبردار سرانجام دے رہے ہیں اور اسے ظلم و ستم کے بجائے اب انسانیت دوستی کا نام دیا جاتا ہے۔

---

اشتراکی انقلاب کی یہ مختصر سی داستان ہے جس کا بیشتر حصہ روسی نژاد اشتراکی ڈیوڈ شب (DAVID SHUB) نے مرتب کیا ہے۔ اس کا بغور مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ اس انقلاب میں آخر انسانیت کی خیر اور بھلائی کا وہ کونسا ایسا نمایاں پہلو ہے جس کی خاطر لاکھوں انسانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ روس نے گزشتہ پچاس سالوں میں معاشی اعتبار سے خاصی ترقی کی ہے۔ اگر معاشی ترقی ہی اس انقلاب کا حاصل ہے تو یہ ترقی تو بہت سے دوسرے ممالک نے آزادی اور جمہوریت کے ماحول میں بھی کی ہے اور وہاں کے مزدوروں اور کسانوں کی حالت روس کے مزدوروں اور کسانوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظام مذہب کے خلاف، انسانیت کے خلاف اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کے خلاف ایک بڑی گہری سازش ہے جسے بعض لوگ محض اپنے بھولے پن میں معاشی فلاح و بہبود کا ایک موثر طریق کار سمجھ بیٹھے ہیں۔ اگر یہ واقعی انسانی فلاح کا پروگرام ہے تو آخر اسے تشدد اور سازش کے ذریعہ ہی لوگوں پر کیوں مسلط کیا جاتا ہے؟ اس کے لیے جمہوری طریقے کیوں اختیار نہیں کیے جاتے؟ کیا اشتراکی انسانوں کی عظیم اکثریت کے بارے میں یہ فرض کر بیٹھے ہیں کہ محدودے چند اشتراکیوں کو چھوڑ کر وہ خود اپنی دشمن بن گئی ہے، اسے اپنے بھلائی کا کوئی شعور نہیں رہا۔ اگر اس کے سامنے اس کے فائدے کی کوئی بات کی جائے تو وہ لازمی طور پر اس کی مخالفت کرے گی۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تشدد کی بھی کبھی کبھی ضرورت پیش آجاتی ہے لیکن یہ خیال بالکل غلط بلکہ سراسر باطل ہے کہ تشدد اور سازش کے بغیر انسانیت ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتی۔ اشتراکی انقلاب میں تشدد سے کسی ناگزیر ضرورت کے تحت کام نہیں لیا جاتا بلکہ یہ اس کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے منفی اور تخریب پسندانہ رجحانات نے اشتراکیت کو جنم دیا ہے، سازشوں نے اسے پروان چڑھایا اور مار دھاڑ اور قتل و غارت کے ذریعہ یہ بے بس انسانوں پر مسلط کی گئی ہے۔ یہ نظام حریت اور آزادی کا کس حد تک دشمن ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مشہور کمیونسٹ میکسم گورکی جو لینن کے سب سے بڑے معتمد ساتھیوں میں سے تھا، جب اس نے دستور ساز اسمبلی توڑنے پر احتجاج کیا تو اس کا اخبار بھی بند کر دیا گیا اور آخر دم تک وہ اسے جاری نہ کر سکا۔ تشدد اور سازش، قتل و غارت کا اس نظام سے کس قدر گہرا تعلق ہے اس کے جاننے کے لیے کسی لمبی چوڑی تحقیق کی ضرورت نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اشتراکیت کے علمبرداروں نے خود اپنے ساتھیوں کا کیا حشر کیا۔ سنہ ۱۹۲۰ سے لیکر سنہ ۱۹۳۰ تک جو لوگ بھی اشتراکی حکومت کے اندر نہایت اونچے مناصب پر فائز رہے اور جو اشتراکیت کے معمار شمار کیے جاتے ہیں ان میں سے بیشتر کو غدار قرار دے کر گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ لینن نے انقلاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد ملک کا نظم و نسق چلانے کے لیے جو کابینہ بنائی گئی تھی، سٹالن کے سوا اس کے سارے افراد پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔ یہی حسرت ناک انجام سٹالن کی کابینہ کا بھی ہوا۔

---

اس نوعیت کی مسلسل متشددانہ کارروائیوں کو کوئی دانشمند شخص بخت و اتفاق پر تو محمول نہیں کر سکتا۔ ان کے انداز کو دیکھنے سے یہ حقیقت بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جبر و استبداد اشتراکی نظام کا خاصہ ہے۔ لینن اور روسی انقلاب کے دوسرے لیڈروں نے اس حقیقت کو واضح طور پر تسلیم کیا ہے۔ لینن نے اپنی ایک تقریر میں صاف طور پر کہا ہے۔

"اشتراکیت ایک ایسی غیر محدود طاقت کا نام ہے جس پر کوئی قدغن عائد نہیں کی جا سکتی، آئین و ضوابط جس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے، جس کا دارومدار تشدد پر ہے"۔

جبر و تشدد، سازش، قتل و غارت جس نظام کے بنیادی اصول ہوں اس میں شرافت، رحمدلی، انسانیت، دوستی جیسی ارفع و اعلیٰ اقدار آخر کس طرح پنپ سکتی ہیں۔ تشدد کا مظاہرہ غنڈہ گردی کے ذریعے ہی اچھی طرح کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے کہ جس معاشرے میں بھی اشتراکیت کو فروغ حاصل ہوا ہے اس میں غنڈہ گردی کی وبا بھی بڑے وسیع پیمانے پر پھیلا ہے، بلکہ غنڈوں کی سرپرستی ہی میں اشتراکیت کا قافلہ آگے بڑھا ہے۔ دنیا کے کسی اچھے نظام حیات نے غنڈہ گردی کی تعریف نہیں کی۔ یہ شرف صرف اشتراکیت کو حاصل ہے کہ اس میں غنڈے اور اوباش لوگ بھی تعریف و توصیف کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ لینن کے قول کو دہرا رہے ہیں۔ ذرا اس کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

"انقلاب بہت مشکل معاملہ ہے۔ اسے دستانے پہن کر اور تراشیدہ ناخنوں کے ساتھ برپا نہیں کیا جا سکتا۔ (اشتراکی) پارٹی لڑکیوں کا کوئی مخصوص کمرہ نہیں۔ اس بنا پر پارٹی کے ارکان کا بورژوا اخلاق کے مطابق محاسبہ درست نہیں ہے۔ کبھی کبھی پارٹی کے لیے ایک غنڈہ صرف اس بنا پر ہی زیادہ مفید اور کارآمد ہوتا ہے کہ وہ غنڈہ ہے"۔

یہ آخری فقرہ بڑا معنی خیز ہے۔ یعنی کسی غنڈے سے کسی شریفانہ فعل کا سرزد ہو جانا اشتراکیوں کے لیے کسی فائدے کی بات نہیں بلکہ اس کی غنڈہ گردی ہی مفید اور کارآمد ہے۔ وکٹر ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسوائے زمانہ بدمعاش تھا۔ اسے لینن نے ۱۹۰۷ء میں لندن پارٹی کانگریس کی مرکزی کمیٹی کا رکن نامزد کر دیا۔ اس پر بعض ارکان نے اعتراض کیا تو لینن نے زور کا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

اسی بنا پر یعنی غنڈہ ہونے کی بنا پر ہی، تو وہ ہمارے لیے مفید ہے کیونکہ وہ کسی مقام پر جا کر رُکے گا تو نہیں۔ تم ہی بتاؤ، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ تم ایک امیر عورت کی کمائی پر داد عیش دینے کے لیے اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ؟

لینن صاحب ڈکٹر کے جس فعل کی تعریف کر رہے ہیں وہ اشتراکیت کے علمبرداروں کا باقاعدہ ایک منصوبہ تھا۔ اور یہ تحریک کی عظیم خدمت تصور کی جاتی تھی۔ اشتراکی پارٹی اپنے بعض ساتھیوں کو اس بات کے لیے تیار کرتی کہ وہ امیر بوڑھی عورتوں کے ساتھ شادی کا سوانگ رچائیں اور پھر ان کی دولت پر خود بھی عیش کریں اور مختلف جائز اور ناجائز طریقوں سے اُسے پارٹی کی طرف بھی منتقل کرتے رہیں۔ دولت کے حصول کے لیے ہر بُرے سے بُرا کام کرنے پر اشتراکیوں کو ان کے لیڈر مسلسل اکساتے رہتے۔ ۱۹۰۶ء کے پہلے دو مہینوں میں لینن کی سرکردگی میں بنکوں، ریلوے اسٹیشنوں اور گاڑیوں پر دو سو مسلح ڈاکے مارے گئے اور یہی ڈاکو بعد میں اشتراکی پارٹی کے سرگرم رکن بنے۔ سٹالن بھی ڈاکوؤں کے اس گروہ میں دریافت کیا گیا۔ اس نے ۱۹۰۷ء میں تفلیس کے ڈاکے میں نمایاں حصہ لیا تھا جس میں اُسے تین لاکھ روبل ہاتھ لگے اور چالیس آدمی مارے گئے۔

ڈاکہ زنی کے علاوہ لینن اور اس کے ساتھیوں نے جعلی نوٹ بنانے کا بھی وسیع پیمانے پر کاروبار کیا۔

---

گذشتہ صفحات میں ہم نے اشتراکیت کے جس متشددانہ اور سازشی مزاج اور جس قسم کی غیر قانونی اور غیر اخلاقی کارروائیوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے کوئی ایک فعل بھی ایسا نہیں جس پر تعجب کا اظہار کیا جا سکے۔ یہ مذموم حرکات اشتراکی انقلاب اور اشتراکی نظام کے مزاج کے عین مطابق ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی حیرت کی موجب نہیں بن سکتی۔ حیرت البتہ اس صورت میں ہوتی اگر اس ملحدانہ اور انسانیت کش تحریک کے آگے بڑھنے سے انسانیت کی اعلیٰ اور ارفع قدریں (باقی صفحہ ۶۱ پر)

© rasailojaraid.com